ہدایت القرآن (۱۱)

مولانا محمد تقی امینی

# آخرت کا ثبوت

وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً تا
وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ۔

اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں[1] تو فرشتوں نے کہا، کیا آپ ایسے کو نائب بنانا چاہتے ہیں جو فساد پھیلائے اور خون بہائے[2] ہم تو آپ کی تعریف کرتے ہیں اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ فرمایا بلاشبہ میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے ہو (اس کے بعد) اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیئے۔ پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا، تم مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ فرشتوں نے کہا آپ کی ذات (ہر کمی و کوتاہی سے)، پاک ہے ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں علم دیا ہے[3] بے شک آپ بڑے علم والے اور اونچی سمجھ والے ہیں (پھر) فرمایا، اے آدم تم ان چیزوں کے نام انہیں بتادو۔ جب آدم نے فرشتوں کو ان کے نام بتا دیئے تو فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں ہی آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہوں[4] اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا[5]

○

[1] قرآن کی بنیادی تعلیم کے بعد اب انسان اور ہدایت کی ابتدائی تاریخ بیان کی جا رہی ہے تاکہ انسان کی فطرت سے اس کی مناسبت ظاہر ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ یہ تعلیم کوئی نئی نہیں ہے بلکہ ابتدا ہی سے اس کا سلسلہ جاری ہے۔

اس تاریخ میں سب سے پہلے انسان کے اوپر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ پھر اس کی

عظمت و بڑائی ظاہر کی گئی ہے ۔اس کے بعد ابتدار کی چند ہدایتیں ذکر کی گئی ہیں۔ لیکن ان سب کو بیان کرنے میں وہی انداز اختیار کیا گیا ہے جو قرآن کا عام انداز ہے اور جس سے بات آسانی سے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے وہ یہ کہ کسی اہم بات یا بڑی حقیقت کو واقعہ کے رنگ میں پیش کیا جائے یعنی اس کہنے کو کافی نہ سمجھا جائے کہ یہ بات اس طرح ہے یا یہ حقیقت ایسی ہے بلکہ بات اور حقیقت کو عملی شکل میں (پریکٹیکل کر کے) دکھا دیا جائے۔ قرآن کا یہ انداز اور اس کی فائدہ مندی نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں کو بڑا دھوکا ہوتا ہے اور کبھی تو اصل بات یا اصل حقیقت ہی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے ۔

آیت میں انسان کا مقام و مرتبہ خلافت و نیابت سے ظاہر کیا گیا ہے جس کی بدولت اللہ کی مخلوقات میں اشرف و برتر قرار پایا ان کی قیادت اس کے سپرد ہوئی اور بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا گیا۔ یہ خلافت و نیابت اللہ کی ہے یا انسان سے پہلے دنیا میں آباد کسی اور مخلوق کی ہے ؟ خود اس آیت اور قرآن کی دوسری آیتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی خلافت و نیابت مراد ہے۔ اس بات کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے کہ انسان سے پہلے دنیا میں جن آباد تھے اور انسان ان کا خلیفہ و نائب ہے

دنیا کے موجودہ مذاہب و نظریات میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس میں انسان کو اس بلندی سے دیکھا گیا ہو جس بلندی سے قرآن نے دیکھا ہے اگر جن کا خلیفہ و نائب انسان کو فرض کیا جائے تو اس میں انسان کی نہ وہ بلندی باقی رہتی ہے اور نہ اس کی خاص شرافت و فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ جن جن کاموں اور ذمہ داریوں میں یہ خلافت و نیابت ہے وہ اپنے وسیع مفہوم میں زمین کی آبادکاری اس کی تعمیر و ترقی اس کا نظم و انتظام چلانے اور اللہ کا قانون اسمیں نافذ کرنے میں ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کام مختلف گوشوں اور مختلف سمتوں میں پھیلے ہوئے ہیں جو جس گوشہ میں اور جس سمت سے بھی تعمیری کام انجام دے گا وہ خلافت و نیابت کے فرائض ہی انجام دے گا ۔ اس طرح خلافت و نیابت کا عہدہ کسی ایک فرد کے لئے خاص نہیں رہتا بلکہ پوری نسلِ انسانی کے لئے عام ہو جاتا ہے۔ ہر ایک اپنی اپنی حیثیت و بساط کے مطابق اس عہدہ پر فائز قرار پاتا ہے ۔ اور حضرت آدم اس وقت اپنی پوری نسل کی نمائندگی کرنے والے ہوتے ہیں۔ اسی طرح خلافت و نیابت کے کام بھی کسی ایک دائرہ میں محدود نہیں رہتے ہیں بلکہ زمین کی آبادکاری اس کی تعمیر و ترقی اس کا نظم و انتظام

چلانے اور اس میں اللہ کا قانون نافذ کرنے سبھی کو عام ہو جاتے ہیں۔

۲؎ انسان کی زندگی کے دو رُخ ہیں ایک طرف وہ خاک کا پتلا ہے۔ زمین سے اس کو بنایا گیا ہے۔ زمین ہی میں اس کی ضرورتوں کا بندوبست ہے اور پھر زمین ہی میں اس کو خلیفہ و نائب مقرر کیا گیا ہے۔ ایسی حالت میں لازمی طور سے وہ اپنی ضرورتیں پوری کرنے اور اپنی ذمّہ داریوں کے کام کرنے کے لئے زمین اور اس کی چیزوں کو استعمال کرے گا اور ان سے فائدہ اٹھائے گا جس سے آپس میں رسّہ کشی ہو گی اور فساد و خوں ریزی اور فساد و خون ریزی تک نوبت پہنچے گی فرشتوں نے اسی ایک رُخ کی ترجمانی کی ہے جس کی بناء پر انہوں نے انسان کی خون ریزی و فساد ہی کا ذکر کیا ہے۔
لیکن دوسری طرف انسان کی زندگی کا ایک اور رخ بھی ہے جس کی طرف اللہ نے فرشتوں کے جواب میں اشارہ فرمایا: (ہو سکتا ہے کہ اس کی طرف فرشتوں کی رسائی ابھی نہ ہوئی ہو) وہ یہ ہے:

اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ "(اس کے بارے میں) میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ہو"

یہ واقعہ ہے کہ اس دوسرے رُخ کا اظہار اس سے بہتر کسی اور طرح نہیں ہو سکتا ہے۔ اس جملہ میں بڑی جامعیّت ہے۔ انسان کی ان تمام صلاحیتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جو اللہ نے ابتدا ہی میں پیوست کر دی ہیں اور جو رفتہ رفتہ بعد میں ظاہر ہونے والی تھیں پھر اللہ نے خود ہی اس دوسرے رخ کے صرف ایک پہلو کی جھلک فرشتوں کو دکھا دی جو لیاقت ظاہر کرنے کے لئے کافی تھی یہ صرف انسان کے علم کی جھلک تھی۔

۳؎ یعنی اللہ نے آدم کو ایک ایسا علم دیا جو فرشتوں کے پاس نہ تھا قرآن کی اصطلاح میں اس کا نام "علم بالاسماء" ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت میں مفسّرین کے بہت سے اقوال ہیں لیکن زیادہ مناسب بخاریؒ کی وہ روایت ہے جس میں علّمك اسماء کل شیء ہے (اللہ نے آپ یعنی آدم کو ہر چیز کے نام سکھائے) ظاہر ہے کہ نام سکھانے میں صرف طوطا کی طرح نام کا رٹانا نہ رہا ہو گا اور سکھانے میں بھی تعلیم کا وہ طریقہ نہ ہو گا جو عام طور پر رائج ہوتا ہے بلکہ نام کی جو وضاحت مفسّرین نے کی ہے وہی حال کے مناسب ہے وہ یہ کہ نام (اسم) سے مراد کسی چیز کی ایسی پہچان ہے جس سے وہ پوری طرح سمجھ میں آ جائے۔ اس میں چیز کی حقیقت اس کی خاصیّت اس کی صفت اور

---

۱؎ بخاری ج ۲ کتاب التفسیر باب العلم آدم الاسما

اس سے متعلق جتنی باتیں ہیں وہ سب اس میں شامل ہیں۔ کام کا تعلق ان سب سے ہے صرف نام رٹا دینے سے نہ کوئی کام انجام پاتا ہے اور نہ اس سے کام کی لیاقت ظاہر ہوتی ہے جبکہ لیاقت ہی فرشتوں کو دکھانا تھا۔

پھر سکھانے کے طریقہ میں ضروری نہیں ہے کہ ہر چیز کے الگ الگ نام سکھائے گئے ہوں بلکہ استعداد پیدا کر دینا کافی ہے۔ پھر اس کے بعد جو چیز بھی پیش ہوئی ہو آدم نے اس کا نام بتا دیا ہو۔ جس طرح کسی فن میں استعداد پیدا ہو جانے کے بعد نہ اس فن کی ہر کتاب پڑھنا ضروری ہوتا ہے اور نہ اس سے متعلق ہر چیز کا الگ الگ نام ضروری بتانا ہوتا ہے۔ ان سب کے لئے صرف استعداد پیدا ہو جانے کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ البتہ استعداد اس درجہ کی ہونی چاہیئے کہ اس سے فنی اجتہاد کی صلاحیت ابھر آئے۔ اسی طرح اللہ نے آدم میں ہر چیز کے علم کی استعداد پیدا کر دی پھر اس کے بعد جو چیز بھی پیش کی گئی ہو انہوں نے اس کا نام بتا دیا ہو۔ استعداد پیدا کرنے کے لئے کسی لمبے چوڑے کورس کی ضرورت نہ تھی بلکہ اللہ کی صفت علم کا پرتو (سایہ) کافی تھا یعنی جب اللہ نے آدم پر اپنی صفت علم کا پرتو (سایہ) ڈالا تو ان میں علم کی استعداد آگئی پھر اسکے ذریعہ انہوں نے ہر چیز کے نام بتادیئے اور فرشتوں نے دیکھ لیا کہ صفت علم کا پرتو ڈالنے کے بعد جب آدم کے علم کا یہ حال ہے تو اللہ کی اور صفتوں کا پرتو پڑنے کے بعد مختلف سمتوں میں اس کی صلاحیت کا کیا حال ہوگا۔ اور اس میں کس قدر خلافت و نیابت کی لیاقت پیدا ہو جائے گی۔

اللہ کی صفت علم کا "پرتو" (سایہ) ڈالنے سے انسان ہی میں یہ لیاقت ظاہر ہو سکتی تھی اگر یہ "پرتو" (سایہ) فرشتوں پر ڈالا جاتا تو ان میں یہ لیاقت نہ ظاہر ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرشتوں نے جس رخ کی ترجمانی کر کے کہا تھا کہ وہ (انسان) فساد و خونریزی کرے گا" دراصل اسی رُخ میں" پرتو" کو برداشت کرنے اور اس کا اثر دکھانے کی اہلیت موجود تھی۔ فرشتوں میں اس انداز کی یہ اہلیت نہ تھی کہ اس کا اثر دکھاسکے۔ اگر ان پر" پرتو" ڈالا بھی جاتا تو ان میں خلافت و نیابت کی لیاقت نہ ظاہر ہوتی۔ اس بنا پر یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ "جس طرح " پرتو " ڈالنے سے انسان میں لیاقت پیدا ہو گئی تھی اسی طرح فرشتوں میں بھی پیدا ہو جاتی پھر خلافت و نیابت کے عہدہ کے لئے انسان کی کیا خصوصیت تھی فرشتے بھی اس پر مقرر ہو سکتے تھے"

علم کا یہ" پرتو"(سایہ) اور اللہ کی صفتوں کے دوسرے "پرتو" جو انسان پر ڈالے گئے وہ

سب نورانی تھے اور جن کے ذریعے زمینی قوت کے ساتھ آسمانی قوت کو ملایا گیا تھا۔ پھر ان دونوں قوتوں نے مل کر انسان میں صلاحیتوں کے کیا کیا کرشمے دکھائے! اور اس کی کس قسم کی نفسیات وجود میں آئی! اس کو کسی قدر سمجھنے کے لیے راقم کی کتاب "حکمت القرآن" کا مطالعہ مفید رہے گا[1] نورانی اور خاکی دونوں بنیادوں کو سامنے رکھ کر ہی انسان کے نفسیاتی مباحث کو مرتب کرنے کی ضرورت ہے ورنہ انسان کا مطالعہ یک رُخا رہے گا۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ خلافت و نیابت کی صلاحیت ظاہر کرنے کے لیے اللہ نے انسان کی بے پناہ صلاحیتوں میں صرف صفتِ علم کو منتخب کیا اور اس سے فرشتوں نے بھی لیاقت کا اندازہ لگایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں اس عہدہ کو سنبھالنے کے لیے فیصلہ کن حیثیت علم کو حاصل ہے عبادت کو نہیں ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ عبادت بندوں کی صفت ہے اور علم اللہ کی صفت ہے جس کا انسان خلیفہ و نائب بنایا گیا ہے۔

۵ اوپر انسان میں خلافت و نیابت کی صلاحیت ثابت کرنے کے لیے اس کی علمی استعداد دکھائی گئی تھی اب اس کے سامنے فرشتوں کو جھکا کر اس کی عملی استعداد بھی دکھائی گئی۔ دونوں میں روئے سخن فرشتوں ہی کی طرف اس بنا پر ہے کہ زمین کی آبادکاری اس کی تعمیر و ترقی اس کا نظم و انتظام چلانے اور اللہ کا قانون نافذ کرنے میں قدم قدم پر ان کے تعاون کی ضرورت ہے۔ قرآن میں فرشتوں کے جو کام بتائے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتوں کے تعاون کے بغیر انسان خلافت و نیابت کے کام میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا ہے۔ فرشتوں کو جھکانے کا کام آسمانی قوتوں کو شامل کرنے کے بعد انجام پایا جس سے انسان کی عملی استعداد کا بھرپور اندازہ ہوگیا اور جس کی نہایت جامع تعبیر دوسری جگہ اپنی روح پھونک دینے سے کی گئی ہے۔ ونفخت فیہ من روحی (حجر آیت ۲۸) (میں نے اپنی روح سے کچھ اس میں پھونک دیا) آسمانی قوتوں کو شامل کر دینا اپنی صفتوں کا پرتو (سایہ) ڈالدینا خاک کے پتلے میں نور کی آمیزش کر دینا اپنی روح سے کچھ پھونک دینا۔ یہ سب بظاہر ایک ہی حقیقت کے مختلف رخ ہیں۔

سجدہ سے مراد یہاں شرعی سجدہ نہیں ہے کہ اس وقت تک نہ شریعت آئی تھی اور نہ اس کا نفاذ ہوا تھا بلکہ "سجدہ" جھکنے کے معنیٰ میں ہے جس سے مراد فرشتوں اور انکی عملداری کی مخلوق کو تعاون

---

[1] یہ کتاب ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہو گئی ہے۔

پر آمادہ کرنا ہے۔ شیطان کا جھکنے سے انکار کرنا گویا اس بات کا اعلان تھا کہ انسان کے کاموں اور اس کی ذمہ داریوں کے پورا کرنے میں ایک زبردست رکاوٹ (شیطان) موجود رہیگی جس سے قدم قدم پر انسان کو مقابلہ کرنا پڑے گا۔ خلافت و نیابت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے جس طرح فرشتوں کا تعاون ضروری ہے اسی طرح رکاوٹ سے مقابلہ بھی ضروری ہے کہ یہ مقابلہ نہ معلوم کتنی سوئی ہوئی صلاحیتوں کو بیدار کرتا رہے گا اگر یہ مقابلہ نہ ہو تو انسان آگے بڑھنے کے پروگرام نہ جاری رکھ سکے گا اور ٹھٹھر کر رہ جائے گا۔ (جاری ہے)

## بقیہ: حکم و عبر

شاہ صاحب جب ایسا ہو جائے تو پھر اس قوم کا اللہ حافظ ہے؟

اگر آج ہماری حالت و کیفیت ہے کہ ہم علم و دانش کے حوالے سے "کُل جدیدٍ لذیذٌ" کے رسیا ہو چکے ہیں اور ہماری رُوح کی غذا تفرقہ و انتشار بن کر رہ گئے ہیں تو پھر ہمیں شاہ صاحب کے تجزیہ کے حوالے سے اپنے مستقبل کی بھیانک تصویر سامنے رکھنی چاہیئے۔ محض یہ خواہش کہ اللہ کرے ایسا نہ ہو —— ایک خوبصورت خواہش ضرور ہے لیکن اس سے کسی کو کبھی فائدہ نہیں ہوا۔ فائدہ تب ہی ہوتا ہے جب انسان بیماری کو سمجھ کر اس کے علاج و اصلاح کی فکر کرے۔ افسوس کہ ہماری اس طرف توجہ نہیں۔

اے کاش کہ ہم اس ملک کی مؤثر قوتوں کو یہ بات سمجھا سکیں کہ جدت پسندی اور تفرقے کا ذوق اس ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر دے گا اور اس قوم کو بے نشان —— اگر کسی کی سمجھ میں یہ بات آگئی تو الحمد للہ —— ورنہ . . . . . .

## بقیہ: دعوت رجوع الی القرآن

کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے توجہات کو از سرِ نو قرآن حکیم کے علم و حکمت کی جانب منعطف کر دیا۔ اور اللہ کی رسی کے ساتھ اُمتِ مسلمہ کے تعلق کو دوبارہ اُستوار کرنے کی سعی کا آغاز کر کے گویا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے اس قول کے مطابق کہ "لَا یُصۡلِحُ اٰخِرَ ھٰذِہِ الۡاُمَّۃِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِہٖ اَوَّلُھَا" اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی سعی و جہد کی راہ کھول دی — فَجَزَاہُ اللہُ اَحۡسَنَ الۡجَزَاءِ۔